اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی دعا

(فرمودہ ۴/ مارچ ۱۹۲۷ء بمقام مسجد احمدیہ۔ لاہور)

تشہد تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

مجھے افسوس ہے کہ چونکہ مجھے یہاں سے ایک پاس کے شہر میں جانا پڑا اس لئے جمعہ میں دیر ہو گئی۔ اس قلیل وقت میں جس قدر میں بیان کرنا پسند کروں۔ اس قدر شائد میرے لئے ممکن نہیں ہو گا۔ لیکن بہرحال جمعہ کے موقع پر ان لوگوں کے لئے جو جمعہ کی آواز پر لبیک کہتے ہیں جمعے کے لئے جمع ہوتے ہیں آنحضرت ﷺ کی سنت اور طریق کے مطابق کچھ نہ کچھ کہنا ضروری ہوتا ہے خواہ وہ کہنا کثیر ہو یا قلیل۔

بات خواہ تھوڑی ہو یا بہت۔ مگر بہت سے ایسے لوگ ہوتے ہیں جو سمجھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ ان کے لئے تھوڑی بات بھی بہت ہوا کرتی ہے۔ اور بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو نہیں سمجھتے۔ ان کے واسطے بہت باتیں بھی تھوڑی ہوا کرتی ہیں۔ ایسے لوگ جو متواتر اور مسلسل طور پر باتیں سنتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ان سے آشنا نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فرماتا ہے۔ ان کے دلوں پر مہر لگی ہوئی ہے۔ ان کی آنکھیں ہیں مگر وہ دیکھتے نہیں۔ ان کے کان ہیں مگر وہ سنتے نہیں۔ لیکن ان کے مقابل کچھ اور لوگ ہیں جو تھوڑی سی بات سے فائدہ حاصل کر لیتے ہیں۔ ایک معمولی سی بات بھی ان کے قلب پر اثر پیدا کر دیتی ہے۔ جس سے وہ خود ہی مست نہیں ہوتے بلکہ قریب والے بھی متوالے ہو جاتے ہیں۔ اور دنیا کو انسان کی اس صفت سے جس قدر نفع پہنچا اتنا کسی اور بات سے نہیں ہوا۔

حضرت عمر کے متعلق آتا ہے۔ کہ ان کے اندر رسول اللہ ﷺ کی مخالفت تھی تو اتنی کہ ہر

وقت تلوار لئے پھرتے۔ کہ جہاں پائیں محمد رسول اللہ ﷺ کو قتل کردیں۔ پھر جب موافقت پیدا ہوئی تو اتنی کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں کے مقابل میں تلوار لیکر کھڑے رہتے۔ اور یہ حالت اس طرح پیدا ہوئی کہ ایک دن انہوں نے قرآن کی بعض آیتیں اپنی ہمشیرہ کے منہ سے سنیں۔ ان چند آیتوں کا یہ اثر ہوا کہ قتل کرنے نکلے تھے۔ مقتول ہو کر گر پڑے۔ اور وہ تلوار جو رسول اللہ ﷺ کی گردن پر چلنے کے لئے ہر وقت میان سے باہر نکلی رہتی تھی ہمیشہ کے لئے خدا کے دین کے اعلاء کے لئے ننگی رہی۔[1] یہ بالکل مختصر بات تھی جو حضرت عمرؓ نے سنی۔ لیکن اس کا نتیجہ نہ صرف ان کے لئے بلکہ ساری دنیا کے لئے کس قدر عظیم الشان نکلا پس چاہئے کہ خدا تعالیٰ کا کلام سنتے وقت دل کو اسے قبول کرنے کے لئے ہر طرح تیار کیا جائے۔

سورہ فاتحہ جو سارے قرآن کا خلاصہ ہے اور جس میں ساری خوبیاں جمع ہیں اپنے اندر بہت سے فائدے رکھتی ہے۔ اس میں بعض باریکیاں ہیں۔ اور ہر ایک کی سمجھ ایسی نہیں ہوتی کہ ان باریکیوں کو سمجھ سکے۔ اس لئے ایک نکتہ بیان کرتا ہوں جس سے معلوم ہو گا کہ سورہ فاتحہ ایک ایسی سورۃ ہے کہ علاوہ اس اہمیت کے کہ یہ جامع ہے۔ اور اس کے اندر انسان کو دعائیں سکھائی گئی ہیں۔ یہ اہمیت بھی رکھتی ہے کہ قرآن کی دوسری سورتوں کے بالمقابل یہ ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔

اگر غور کیا جائے تو کم از کم ایک انسان چالیس دفعہ ضرور ہر روز اسے پڑھتا ہے۔ پھر نماز کے علاوہ بھی اسے پڑھتے ہیں۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ ایک سو بار سے زیادہ دفعہ یہ دعا روزانہ پڑھی جاتی ہے۔ اس میں دعا سکھائی گئی ہے۔ جس کے متعلق ہمیں سوچنا چاہیے۔ کہ جو دعا اس کثرت سے پڑھی جاتی ہے اس کا کوئی اثر بھی ہے یا نہیں اور اس کے مطابق ہماری حالت ہے یا نہیں۔ اس میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کی دعا سکھائی گئی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اے خدا ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ وہ سیدھا راستہ کہ دکھایا تو نے اپنے ان لوگوں کو جن پر تیری نعمتیں نازل ہوئیں۔ وہ سیدھا راستہ بتا۔ جو بتایا تو نے ان لوگوں کو جو منعم علیہ تھے۔ اور وارث تھے تیرے فضلوں کے۔ پھر یہی نہیں کہ سیدھا راستہ دکھا اور بتا۔ بلکہ یہ بھی کہ ہمیں اس سیدھے رستہ پر چلا بھی۔ تاہم اس پر چل کر تیری نعمتوں کو پا سکیں۔

یہ دعا ہے جو اس سورۃ میں سکھائی گئی ہے۔ اس پر غور کرنا چاہئے کہ کیا ہماری حالتیں ان کے

مطابق ہیں ؟ دن رات یہ دعا پڑھی جاتی ہے۔ اور نہیں تو کم از کم پانچ نمازوں میں تو ضرور پڑھی جاتی ہے۔ پس آپ لوگ اپنے نفسوں پر غور کریں اور دیکھیں کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دعا جو ہم روز کرتے ہیں۔ کیا وہ قبول ہو رہی ہے یا نہیں۔ کیا جو شئے ہم اس میں طلب کرتے ہیں۔ وہ ہمیں مل رہی ہے ؟ اور کیا ہماری حالت اس دعا کے مفہوم کے مطابق ہو گئی ہے ؟

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں ہم طلب کرتے ہیں۔ سیدھا رستہ دکھا۔ وہ رستہ جو دکھایا تو نے اپنے نیک اور مومن بندوں کو جو تیرا انعام پانے والے ہوئے۔ بہر حال ہر مسلمان یہ دعا کئی بار دن میں پڑھتا ہے اور جو اسے پڑھتا ہے وہ اس پر ایمان بھی رکھتا ہو گا۔ وہ آخر خدا پر ایمان رکھتا ہو گا۔ توحید پر ایمان رکھتا ہو گا۔ ملائکہ پر ایمان رکھتا ہو گا۔ قرآن پر ایمان رکھتا ہو گا۔ رسالت پر ایمان رکھتا ہو گا۔ حشر و نشر اور قضاء و قدر کو مانتا ہو گا۔ پس جب وہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کہتا ہے۔ تو کیا اس کے یہ معنی ہوتے ہیں۔ کہ اے خدا میرا یہ ایمان ہو جائے کہ تو خدا ہے۔ اور تیری توحید ہے ملائکہ تیری مخلوق ہیں۔ قرآن تیرا کلام ہے۔ حشر و نشر اور قضاء و قدر تیرے حکم اور اختیار سے ہے۔ یہ تو وہ پہلے ہی مانتا ہے۔ اور ان سب پر اس کا پہلے ہی ایمان ہے۔ پھر اس کا کیا مطلب ہوا کہ وہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کہتا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اے میرے خدا جس مقام پر میں ہوں۔ تو مجھے اس سے آگے لے جا۔ کیونکہ اگر صرف یہ ہو کہ مجھے یہ باتیں حاصل ہوں۔ تو یہ تو اسے پہلے حاصل ہیں۔ اور کون ہے جو پہلی حاصل شدہ چیزوں کو مانگے۔ پس اس کا یہی مطلب ہے کہ دعا مانگنے والا یہ مانگ رہا ہے کہ جس مقام پر ہوں اس سے آگے ترقی دے۔ جو عقائد ہیں انہیں زیادہ مضبوط کر دے۔ ایمان اور یقین کو زیادہ کر دے۔ قرآن پر جو ایمان ہے۔ رسول پر جو ایمان ہے۔ ملائکہ پر جو ایمان ہے۔ اس میں ترقی ہو جو علم حاصل ہے وہ اس سے زیادہ ہو جائے۔ قرآن اور حدیث کے مطالب پہلے سے زیادہ مجھ پر کھل جائیں۔ غرض جس وقت یہ دعا مانگی جاتی ہے۔ تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ دعا مانگنے والا موجودہ حالت سے آگے ترقی چاہتا ہے۔ اور یہ خواہش کرتا ہے کہ جو کچھ مل چکا ہے۔ وہ اور بھی زیادہ ہو۔ مثلاً کوئی شخص اعمال کے متعلق دعا کرے۔ جیسے نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ اور عام اخلاق تو اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں یہ دعا کر رہا ہے۔ وہ مسلمان ہے۔ اور مسلمان کو یہ سب چیزیں پہلے ہی مل چکی ہیں تو اس کا یہی مطلب ہے کہ یہ پہلے سے اچھے طریق پر ادا ہوں۔ اور اچھی طرح مجھے حاصل ہوں۔ اگر یہ مفہوم نہیں تو پھر یہ فضول اور لغو بات ہے۔ کیونکہ وہ ایک ایسی چیز مانگتا ہے

جو اسے پہلے ہی مل چکی ہے۔

پس پانچ وقت جو یہ دعا مانگی جاتی ہے۔ اس کے متعلق دیکھنا بھی چاہئے۔ کہ قبول ہو رہی ہے یا نہیں۔ اور کیا اس سے کوئی تبدیلی پیدا ہو رہی ہے یا نہیں۔ ایک نماز میں جب یہ دعا کی گئی ہے تو کیا یہ فرض نہیں کہ دوسری نماز میں دیکھا جائے کہ اس کا کیا نتیجہ نکلا۔ اور کہاں تک ترقی ہوئی۔ مثلاً اگر صبح کی نماز میں ایک شخص اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کہتا ہے اور مفہوم میں یہ بات داخل رکھتا ہے۔ کہ جو کچھ مجھے مل چکا ہے۔ اس میں ترقی ہو۔ تو کیا یہ فرض نہیں کہ وہ بعد کی نماز میں غور کرے کہ کہاں تک ترقی ہوئی۔ وہ اپنے اعمال میں دیکھے۔ اپنے معاملات میں دیکھے۔ اپنے حالات میں دیکھے۔ کہ کس قدر بہتری پہلے کی نسبت ان میں پیدا ہوئی۔ اور یہ کہ کیا ان میں کوئی تبدیلی ہوئی یا نہیں۔ ان میں کچھ فرق ہوا یا نہیں۔ اگر نہیں تو اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ صرف مقررہ الفاظ دہرا رہا ہے۔ وہ ٹونہ کر رہا ہے۔ وہ جادو کر رہا ہے۔ وہ بالکل ویسے ہی طور پر کام کر رہا ہے جیسے بعض بوڑھی عورتیں چند دھاگوں پر عمل کرتی ہیں۔

پس جب تک اس دعا کا مفہوم یہ نہ ہو تاکہ جو کچھ مل چکا ہے اس میں ترقی ہو تو اس دعا کا پڑھنا ایک فضول اور لغو بات ہوگی۔ اس لئے ہر ایک شخص کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ وہ ہر نماز میں سوچ لے کہ میری پہلی دعا کا کیا نتیجہ نکلا۔ پھر اس کے ساتھ اسے یقین ہونا چاہئے کہ میری دعا قبول ہو گئی۔ کیونکہ اگر یہ یقین نہ کیا جائے اور یہ مانا جائے کہ جو کچھ ہونا ہوتا ہے وہ تو خدا کی طرف سے ہوتا رہتا ہے۔ انسان کے کہنے سے اس میں تغیر نہیں ہوا کرتا۔ تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ ہزارہا دعائیں جو پاک لوگوں نے کیں وہ پھینک دی گئیں۔ ہزارہا دعائیں جو راستباز انسانوں نے مانگیں اجابت کے مقام پر نہ پہنچیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جو کچھ کرتا ہے خدا تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ لیکن اس میں بھی کچھ شبہ نہیں کہ انسان جو کچھ کہے اسے بھی سنتا ہے اور اسکے مطابق اسے اجر دیتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی کی دعا میں کوئی نقص ہو۔ اور وہ پھینکی گئی ہو۔ اور اجابت کے مقام پر نہ پہنچی ہو۔ لیکن یہ بات بالکل درست ہے کہ خدا تعالیٰ انسان کی دعائیں سنتا ہے۔ اور پھر جو دعا وہ خود سکھائے وہ تو ضرور اس قابل ہوتی ہے کہ سنی جائے۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ انسان اس کے مانگنے میں اپنی نادانی اور غلطی سے کوئی نقص نہ پیدا کر دے لیکن باوجود اس بات کے کہ یہ دعا خود خدا تعالیٰ نے سکھائی۔ اگر یہ دعا اپنا اثر ظاہر نہ کرے اور مانگنے والے کے اندر پہلے کی نسبت کوئی فرق پیدا نہ ہو۔ اور اسے ان چیزوں میں جو اسے مل چکی ہیں۔ ترقی محسوس نہ ہو تو اسے فکر کرنی

چاہئے کہ جس بات نے اس کو یہاں فائدہ نہ دیا جس سے اس کو اس جگہ کوئی ترقی نہ ہوئی۔اس سے اس کو کیا امید ہو سکتی ہے کہ مرنے کے بعد قیامت کے دن کچھ ترقی ہو گی۔کیونکہ مرنے کے بعد کی ترقی اس کے انہی اعمال اور عقائد اور ایمان پر ہے۔جو اس جہان میں ہوں گے۔اور اگر ان میں اس جگہ کوئی ترقی نہیں تو قیامت کے دن اسے کہاں ترقی مل سکتی ہے۔پس ایسے شخص کو یہیں سے اپنی آئندہ کی حالت پر قیاس کرنا چاہئے۔اور اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ جو پہلی منزل طے نہیں کر سکا۔ وہ دوسری منزل کیسے طے کر سکتا ہے۔

ایک مومن اور سچا مومن ایک دن کی دعا کا اثر دوسرے دن دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ اسی دن کی دوسری نماز میں دیکھتا ہے۔پھر ایک نماز کی دعا کا اثر دوسری نماز میں دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ ایک رکعت کی دعا کا اثر دوسری رکعت میں دیکھنے کی کوشش کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کیا وہ قبول ہوئی یا نہیں۔اور اس نے کیا اثر پیدا کیا۔پہلی حالت اور اس حالت میں کس قدر فرق پیدا ہوا۔کہاں تک ترقی ہوئی لوگ گورنمنٹ کے حکام کے پاس عرضیاں لے کر جاتے ہیں اور وہاں گھنٹوں بلکہ پہروں انتظار کرتے ہیں لیکن خدا کے گھر کوئی انتظار کرنا نہیں پڑتا۔ہاں جن امور کے اس نے اوقات مقرر کر رکھے ہیں ان میں انتظار کرنا پڑتا ہے۔اور وہ اپنی مدت معینہ پر ہوتے ہیں۔ مثلاً کوئی شخص بچہ کیلئے دعا مانگتا ہے۔اب اگر اس کی دعا قبول ہو جائے تو یہ نہیں ہو گا کہ اس وقت بچہ پیدا بھی ہو جائے۔اس کے لئے اگر زیادہ نہیں تو کم از کم نو سوا نو مہینہ کا عرصہ لگے گا۔کیونکہ بچہ کی پیدائش کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ اتنا عرصہ لیکر دنیا میں آئے۔پس صرف ان امور میں جن میں خدا نے وقت مقرر کر رکھا ہے۔مقررہ وقت تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔اور باقی سب میں کوئی انتظار نہیں۔ اور وہ اکثر دعا کے ساتھ ہی مل جاتے ہیں۔چنانچہ علم اور عقائد وغیرہ ہیں۔یہ الہاماً ملتے ہیں اور اسی وقت نازل ہوتے جاتے ہیں جس وقت ان کے لئے دعا کی جاتی ہے۔متواتر تجربہ کیا گیا کہ ابھی دو رکعت ختم نہیں ہوتی۔جس میں ایسی دعا کی جاتی ہے کہ بہت سے حقائق و معارف کا انکشاف ہو جاتا ہے۔اور کئی دفعہ تو ایسا بھی ہوا ہے کہ اگر دعا ٹھیک طور پر کی جائے تو پیشتر اس کے کہ سجدہ سے سر اٹھایا جائے۔سورۃ کی سورۃ کے مطالب ظاہر ہو گئے ہیں۔

اگر کسی انسان کی دعا مضبوط نہ ہو اور جلدی اثر نہ کرے۔تو کم از کم یہ تو چاہئے کہ دوسری نماز تک ہی فرق پڑ جائے۔اگر یہ بھی نہیں تو کم از کم دوسرے دن تک ہی فرق پیدا ہو جائے۔اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ اس سے بھی زیادہ اس کی دعا کمزور تھی تو کم از کم ایک ہفتہ کی دعاؤں کے نتیجہ میں

کوئی تبدیلی پیدا ہو جانی چاہئے- یہ بھی اگر نہیں تو کم از کم ایک ماہ کے بعد ہی کوئی اثر پیدا ہونا چاہئے- اور اگر اس عرصہ میں بھی کوئی اثر پیدا نہیں ہوا- اور دعا کرنے والے کی حالت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تو کم از کم وہ سال جن کے ساتھ اس کی زندگی گنی جاتی ہے اس قسم کے ہونے چاہئیں جن میں تبدیلی ہو- اور ہر سال اپنے پہلے سال سے بڑھ کر ترقی پر ہو- لیکن اگر اس حد تک پہنچ کر بھی کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی- اور باوجود سال بھر دعا کرنے کے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا- اس کے علم میں کوئی ترقی نہیں ہوئی- اس کے عمل میں کوئی مضبوطی نہیں ہوئی- اس کے اخلاق میں کوئی زیادتی نہیں ہوئی- تو سمجھ لینا چاہئے- کہ اس کی دعا میں فرق تھا- اور اس وقت پھر حالت بدلنے کی کوشش کرنی چاہئے یا تو دعا کرنے والے کے اخلاص میں فرق ہوتا ہے کہ وہ اخلاص سے اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ نہیں کہتا بلکہ رسمی طور پر کہتا ہے اس لئے اس کا اثر نہیں ہوتا- یا اس کے ساتھ کچھ اور نقص پیدا کر لیتا ہے جس سے کوئی اثر اور تبدیلی پیدا نہیں ہوتی- ورنہ دعا ایسی چیز نہیں کہ اسے بے اثر کہا جائے- پس ایسا آدمی اگر اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ کے معنے یہ نہیں خیال کرتا کہ موجودہ مقام سے ترقی ملے- اور اگر صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ میں محمد رسول اللہ ﷺ حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ وغیرہ تمام خدا کے نبی مد نظر نہیں ہوتے- بلکہ صرف یہ جملہ ہی سامنے ہوتا ہے تو ایسا شخص منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا اور اس کے اندر کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اور اسے کوئی ترقی نہیں ملتی- کیونکہ وہ دعا نہیں کرتا بلکہ ایک جملہ رٹتا ہے-

بعض دفعہ دعا مانگنے والا اس کے آئیڈیل (Ideal) کی طرف توجہ نہیں کرتا- تو اس وجہ سے دعا قبول نہیں ہوتی- اور کبھی دعا کے ساتھ سچی تڑپ نہیں ہوتی- اور نہ ہی دعا کرنے والا اصلی کوشش کرتا ہے- اس لئے دعا قبولیت کے مقام تک نہیں پہنچتی- پھر دعا کے واسطے توجہ اور یقین کی ضرورت ہے- ایک شخص کو دعا کرتے وقت اس بات کا یقین ہونا چاہئے کہ جو کچھ میں مانگ رہا ہوں وہ دیا جائے گا-

گویہ ضروری ہے کہ دعا کے ساتھ توجہ ہو- گویہ ضروری ہے کہ دعا کے ساتھ یقین ہو- گویہ ضروری ہے کہ دعا کے ساتھ سچی تڑپ اور اصلی کوشش ہو- لیکن اس کے ساتھ تدبیر کا ہونا بھی بہت ضروری ہے- جو انسان دعا بھی کرتا ہے اور تدبیر بھی کرتا ہے- وہ کامیابی کا منہ بہت جلد دیکھ لیتا ہے- ایک دفعہ ایک بزرگ کے پاس ایک سپاہی آیا کہ حضور دعا کریں کہ میرے گھر اولاد ہو- جواب میں انہوں نے کہا بہت اچھا ہم دعا کریں گے وہ شخص اٹھا اور گھر جانے کی بجائے کہیں اور جانے لگا-

بزرگ نے کہا تمہارا گھر کدھر ہے۔ اس نے کہا کہ میں فوج میں ملازم ہوں اس لئے ادھر جا رہا ہوں۔ اس نے کہا پھر میری دعا کیا فائدہ کرے گی۔ تم بچے کی درخواست کرتے ہو اور خود گھر سے باہر جا رہے ہو بچہ کے لئے دعا کرانی ہے تو بیوی کے پاس رہو۔ غرض دعا کے ساتھ تدبیر کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ طاقت اور امکان کے مطابق کوشش بھی کرنی چاہئے۔ کیونکہ جو شخص دعا کے ساتھ کوشش نہیں کرتا وہ یہ چاہتا ہے کہ یونہی مجھے سب کچھ مل جائے۔ غرض دعا کے ساتھ تدبیر اور کوشش ہوا کرتی ہے۔ صرف کوشش سے بسا اوقات ناکام رہ جاتے ہیں۔ لیکن اگر دعا اور کوشش دونوں ہوں تو کامیابی ہوتی ہے۔ جب انسان ایک قدم اٹھائے تو خدا تعالیٰ کی طرف سے دو قدم اٹھتے ہیں۔ پس میں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے عقائد اور اعمال کی اصلاح کی جائے۔ اور دعا کے ساتھ کوشش اور تدبیر کو اختیار کیا جائے۔

قرآن شریف کی طرف توجہ نہ کرنے سے ہی یہ ساری خرابی پیدا ہوئی کہ لوگ لفظوں پر گر گئے۔ اور مطلب کی طرف سے غفلت اختیار کر لی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس پر اعتراض ہونے شروع ہو گئے۔ اب دیکھ لو یہی قرآن جو پہلے تھا اب بھی ہے۔ مگر پہلے اس پر ساری دنیا اعتراض کرتی تھی۔ اس لئے کہ خود مسلمان اس پر توجہ نہیں کرتے تھے اور اس کے مطالب سمجھنے کے لئے دعا نہیں کرتے تھے۔ لیکن اسی قرآن کو لیکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اٹھے تو لوگوں کی گردنیں جھکا دیں کیونکہ وہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کہنے کے موقع پر اپنی دعا میں یقیناً یہ مفہوم رکھتے تھے کہ الٰہی قرآن کے علوم کو مجھ پر کھولا جائے۔ چنانچہ ان پر کھولے گئے۔ غور کرو یہی قرآن ہے۔ جس کے متعلق کہا جاتا کہ اس میں کوئی دلیل نہیں۔ یہ جو بات کہتا ہے بلا دلیل اور بلا ثبوت کہتا ہے۔ اس کی عبارت بھی بے ترتیب ہے۔ لوگوں کے نزدیک یہ بالکل ظنی تھا۔ غیر یقینی تھا۔ حقائق سے خالی تھا۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسی کو لیکر اٹھے اور جہان پر ثابت کر دیا کہ اس کی ہر بات با دلیل ہے اور اس کا ہر دعویٰ با ثبوت ہے۔ یہ بالکل یقینی ہے۔ اور ایسا صحیفہ ہے۔ جس کی مثل کوئی کتاب نہیں۔ پھر اس وقت تو یہ حالت تھی کہ اس کے ماننے والے بھی یہاں تک کہتے تھے کہ گیارہ سو سے لے کر پانچ تک اس کی آیتیں منسوخ ہیں۔ مگر حضرت مرزا صاحب ؑ اٹھے اور کہا اس میں سے ایک لفظ بھی منسوخ نہیں اور بتا دیا کہ یہ بالکل وہی قرآن ہے جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا اور جو آپ کے صحابہ کے ہاتھ میں تھا۔ آخری زمانہ میں شاہ ولی اللہ شاہ صاحب بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ مگر وہ بھی کہتے تھے کہ قرآن کریم کی پانچ آیتیں منسوخ ہیں[۳] مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے

اس کے وہ معارف کھولکر بتائے کہ لوگ حیران رہ گئے۔ اور فرمایا کہ پانچ آیتیں چھوڑ پانچ شوشے بھی قرآن کریم سے منسوخ نہیں۔ کجا ولی اللہ شاہ صاحب کہ پانچ آیتیں منسوخ سمجھتے تھے اور کجا ایک احمدی کہ وہ اب ایک آیت کو بھی منسوخ نہیں سمجھتا۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ بھی ثابت کر دکھایا ہے۔ کہ اس کی ترتیب عبارت بھی بہت اعلیٰ ہے۔ اور اس لحاظ سے بھی یہ ایک بے مثل کتاب ہے چنانچہ ہم میں سے علوم کا مطالعہ کرنے والے آج کہتے ہیں کہ اس کی عبارت بے جوڑ نہیں۔ بلکہ نہایت اعلیٰ اور مکمل ترتیب کے ساتھ ہے۔ اور اس میں انتار شتہ ہے کہ دنیا کی کسی کتاب میں اتنا رشتہ نہیں پایا جاتا۔ لوگ سمجھا کرتے تھے کہ یہ تعزیرات ہند کی طرح ایک کتاب ہے اور بس۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بتایا یہ بالکل فطرت انسانی کے مطابق کتاب ہے۔ ہر ایک حکم جو اس میں ہے اور ہر ایک عقیدہ جو اس کے ذریعے پیدا کیا گیا ہے اس کے لئے دلائل عقلی اور نقلی دونوں اس میں موجود ہیں۔ اور بتا دیا کہ اگر کوئی کتاب ایسی ہے کہ دنیا اس پر عمل کر سکتی ہے۔ اور وہ دنیا کے لئے مفید ہو سکتی ہے تو وہ قرآن کریم ہے۔ پھر ہزاروں روپیہ انعام مقرر کیا کہ کوئی ایسی کتاب پیش کرو۔ بلکہ چند ان مضامین کے مقابلہ کے لئے بھی لوگوں کو بلایا جو آپ نے قرآن کریم کے حقائق کے متعلق لکھے اور جن کے متعلق آپ نے بڑے زور کے ساتھ دعویٰ کیا کہ اگر زیادہ نہیں تو ان کے برابر ہی معارف دکھادو اور انعام لے لو۔ مگر لوگ نہ کر سکے۔ پس یہ فرق ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور دوسرے لوگوں کے درمیان ہے۔ لیکن یہ فرق کیوں ہے؟ اس لئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ کہتے تو وہ یقیناً یہ دعا مانگ رہے ہوتے تھے۔ کہ مجھ پر قرآنی علم پہلے سے زیادہ کھولے جائیں۔ اگر محمد ﷺ پر حقائق کھولے گئے اور علوم عطا کئے گئے۔ اگر موسیٰؑ پر حقائق کھولے گئے اور علوم عطا کئے گئے۔ اگر عیسیٰؑ ابراہیمؑ اور نوح علیہم السلام پر حقائق کا انکشاف کیا گیا اور ان کو علوم عطا کئے گئے تو ہم پر بھی ان حقائق کو واضح فرما دیا جائے اور ہم پر بھی ان علوم کو کھولا جائے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کا بھی یہی طریق تھا۔ آپ فرمایا کرتے۔ کوئی اعتراض قرآن پر کرے۔ میں جواب دینے کے لئے تیار ہوں۔ اگر مجھے جواب معلوم نہ بھی ہو گا تو بھی خدا تعالیٰ کا مجھ سے وعدہ ہے کہ میں سمجھا دوں گا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ آپ بھی جب اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ کہتے تھے تو اسی مفہوم کو مد نظر رکھ کر کہتے تھے کہ قرآن کے علوم مجھ پر کھولے جائیں۔ اور انہیں یہ یقین

تھا کہ خدا تعالیٰ ضرور اس دعا کو سنتا ہے اور قرآنی علوم ان پر منکشف کرتا ہے۔

میں نے اپنی ذات میں بھی دیکھا ہے کہ میں جب حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل سے قرآن شریف اور بخاری پڑھا کرتا تھا تو آپ نے آدھا آدھا سیپارہ روز پڑھا کر دو ماہ میں سب ختم کرا دیا۔ میں جب کچھ پوچھنا چاہتا تو فرماتے۔ میاں گھر جا کر سوچ لینا۔ دوسرے پڑھنے والوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے اگر میں کوئی سوال کرتا تو فرماتے۔ میاں اٹھو ادھر آ کر بیٹھو۔ غرض اس طرح پڑھانے کے بعد فرمایا جو علم نور دین کو آتا تھا وہ پڑھا دیا۔ اس کے اندر ایک نکتہ تھا اور وہ یہ کہ ایک مسلمان کے لئے صرف اتنا ضروری ہے کہ وہ ترجمہ پڑھ لے اور اس کو اچھی طرح سمجھ لے۔ باقی جو علوم ہیں وہ تو خدا کے سکھائے آتے ہیں۔ ان کے متعلق اسے اپنے طور پر کوشش کرنی چاہئے اور خدا تعالیٰ سے حاصل کرنے چاہئیں میں اگر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی بتائی ہوئی باتوں کو ہی لکھ رکھتا تو آج ان اعتراضوں کے جواب کہاں سے لاتا۔ جو اسلام پر ہو رہے ہیں۔ کیا انہوں نے ہمیشہ زندہ رہنا تھا؟ نہیں۔ اس لئے انہوں نے وہ گر مجھے بتا دیا جو ان کے بعد میرے کام آنے والا تھا۔ اور اب میں وہ گُر تمہیں بتاتا ہوں کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی دعا کے وقت اس کے مطالب مدنظر رکھنے بہت زیادہ مفید ہیں۔ اس طرح خدا تعالیٰ ہر ایک بات خود بتاتا اور سمجھاتا ہے۔ اور تمام علوم کا انکشاف کر دیتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے بتائے ہوئے گر سے میں نے بہت بڑے بڑے فائدے حاصل کئے ہیں۔ میں اکثر دعائیں کرتا رہتا ہوں کہ مجھے اور زیادہ علوم عطا ہوں اور زیادہ انعام ملیں۔ اور زیادہ نعمتیں اور برکتیں حاصل ہوں۔ چنانچہ مجھے خدا تعالیٰ کے فضل کے ماتحت دی بھی گئیں ایک دفعہ رؤیاء میں مجھے بتایا گیا۔ میں نے دیکھا ایک آواز سن رہا ہوں۔ جیسے ٹن کی آواز ہوتی ہے تانبے یا پیتل کے برتن سے جو آواز نکلتی ہے۔ ویسی ہی وہ آواز تھی وہ آواز ہوتے ہوتے اس قدر وسیع ہوئی کہ وسیع ہو کر ایک لمبا چوڑا میدان بن گئی۔ تب فرشتہ نے میرے پاس آ کر کہا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ تمہیں سورہ فاتحہ کا ترجمہ سکھایا جائے۔ میں نے کہا۔ ہاں۔ تب اس نے مجھے سکھایا۔ اور جب اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ پر پہنچا۔ تو کہنے لگا۔ کہ تفسیروں والے تو یہیں تک لکھتے ہیں۔ اور لوگ یہیں تک بیان کرتے ہیں۔ لیکن میں تمہیں اگلی تفسیر سکھاتا ہوں۔ اور مجھے اس نے اس کی تفسیر سکھائی۔ پھر میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے یہ رؤیا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کو سنائی۔ اور کہا۔ تفسیر جو فرشتہ نے سکھائی تھی۔ وہ بھول گئی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ آپ کو علم سکھایا گیا ہے اور

فرشتے نے جو یہ کہا تھا۔ تفسیروں والے اور دوسرے لوگ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ تک ہی بتاتے ہیں۔ اس کا یہ مفہوم تھا۔ کہ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ بندے کا کام ہے یہ تو بندے کے لئے ہے۔ اور وہی کرتا ہے۔ اس کے آگے خدا کرتا ہے۔ اور جو بات خدا کرتا ہے بندہ کر نہیں سکتا۔ غرض اب سورہ فاتحہ کو لیکر اگر میں کھڑا ہو جاؤں۔ کوئی مضمون ہو۔ مجھے ایسا نکتہ سمجھا دیا جاتا ہے جو مجھے معلوم نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ لیکچروں کے وقت بھی ہر دفعہ مجھے وہی فرشتہ نئے نئے نکات سمجھا دیتا ہے۔ بندوں کے دلوں کی تو حد بندی ہے۔ لیکن خدا کے احسانوں کی حد بندی نہیں۔ وہ جتنا چاہے جب چاہے بندے پر احسان کر سکتا ہے۔

دراصل علوم خدا ہی کی طرف سے دیئے جاتے ہیں جو الہاماً نازل ہوتے ہیں۔ اگرچہ استاد بھی پڑھاتے ہیں۔ مگر وہ خود بھی اس بات کے محتاج ہیں کہ انہیں کسی اور جگہ سے بتایا جائے۔ اور پھر ان کے پڑھائے ہوئے علوم ان کے برابر کب ہو سکتے ہیں۔ جو الہام کے ذریعہ پڑھائے جاتے ہیں۔ ایک استاد تھا۔ اس نے چند خطوط جمع کر کے طاقچے پر رکھ چھوڑے تھے اور اپنے شاگردوں کو طاقچے پر پڑے ہوئے خط رٹا دیتا تھا۔ ایک دفعہ ایک لڑکے کے باپ کے پاس کہیں سے خط آیا۔ اس نے بیٹے کو پڑھنے کے واسطے دیا۔ بیٹے نے انہیں خطوں کا مضمون پڑھنا شروع کر دیا۔ جو استاد نے رٹائے ہوئے تھے باپ نے کہا کیا کر رہے ہو۔ بیٹے نے جواب دیا خط پڑھ رہا ہوں۔ باپ نے حیران ہو کر کہا اس میں تو یہ نہیں لکھا اور اسے استاد کے پاس لے آیا وہاں آ کر اس نے وہ خط جو استاد نے اسے رٹایا ہوا تھا پڑھ دیا اور کہا یہی خط پڑھنا آتا ہے جو استاد جی کے طاقچہ پر ہے تو استادوں کا پڑھایا ہوا طاقچے پر رکھے ہوئے خطوں کی مانند ہوتا ہے۔ اصل علم خدا ہی سے انسان حاصل کرتا ہے۔

لیکن اس کے لئے کوشش کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ کوشش یہی ہے کہ خدا سے ہی کہے کہ مجھے علم سکھایئے۔ اور اس میں زیادتی کیجئے جس شخص کے کاموں کی بنیاد محض عقل و فہم پر ہوتی ہے۔ اسے کیا خبر کہ دشمن نے کہاں سے آنا ہے اور کیا اعتراض کرنا ہے اس لئے وہ اکثر تکلیف میں پڑتا ہے اور کئی اعتراضوں کا جواب نہیں دے سکتا۔ اور نہ ہی اپنی ذات کے لئے کوئی مفید بات پیدا کر سکتا ہے۔ لیکن جس کی بنیاد اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ پر ہوتی ہے وہ ہر موقع پر خدا تعالیٰ سے مدد پاتا ہے۔ اور ان علوم کی وجہ سے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا کئے جاتے ہیں۔ ہر موقع پر اسے غلبہ دیا جاتا ہے۔ اور اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ پر اپنی بنیاد رکھنے والے میں خدا بول رہا

ہوتا ہے وہ اس کی زبان ہوتا ہے۔ اس کا دماغ ہوتا ہے۔ غرض وہ ہر موقع پر اس کی مدد کرتا ہے اور جیسی ضرورت ہو ویسا ہی علم سکھا دیتا ہے ایسے انسان کی زبان اور دماغ ٹائپ کی مشین کی طرح ہوتے ہیں۔ جس کے اوپر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے اور وہ ہاتھ الہام ہے کہ ٹائپ کی مشین جیسے صرف چھاپتی جاتی ہے ویسے ہی اس کے دماغ میں باتیں اتارتا جاتا ہے پس اس آیت کو مضبوطی سے پکڑ لو اور دعاؤں میں لگ جاؤ۔ اپنے اوقات کو خدا کے لئے خرچ کرو۔ اس کی رحمت حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ خدا کے ساتھ تعلق پیدا کرو لیکن جو تعلق پیدا کرو وہ مضبوط پیدا کرو۔ اس سے مانگو کہ وہ تمہیں علم دے اور تمہاری حالت کو بہتر سے بہتر بنائے۔

اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے اور مجھ پر بھی اور ہم سب کو سچا تقویٰ عطا کرے تاہم اس تقویٰ کے ذریعہ لوگوں کو دین میں داخل کر سکیں خدا ہم میں اور ہمارے کاموں میں برکت دے۔

(الفضل یکم اپریل ۱۹۲۷ء)

۱ سیرت ابن ہشام حالات اسلام سیدنا عمر بن الخطابؓ جلد ۱ صفحہ ۳۶۷ تا ۳۷۰ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء۔ ۲ الفاتحہ: ۶-۷

۳ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر صفحہ ۱۸ مطبوعہ لاہور